ماهنامه

حیاتِ نو

بلریاگنج

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہ نامہ

مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد: ۱۳ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ مارچ ۱۹۹۸ء شمارہ: ۳

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

معاون مدیر

انیس احمد فلاحی

بدل اشتراک

☆ سالانہ زر تعاون : ۵۰/- روپئے	☆ طلبہ کے لیے : ۳۰/- روپئے
☆ خصوصی زر تعاون : ۲۰۰/- روپئے	☆ اعزازی زر تعاون : ۱۰۰۰/- روپئے
☆ بیرون ملک سے : ۲۵/ امریکی ڈالر	☆ قیمت فی شمارہ : ۵/ روپئے

o اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہ نامہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج
اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱ ۔ فون نمبر ۲۵۱۱۵

کمپوزر:- محمد اشفاق عالم منیجر حیات نو بلریاگنج

نقوش حیات نو

صفحہ

- **اداریہ**
کمال وسربلندی کا راز ۳
- **ہدایت کے چراغ**
حضرت شریح قاضیؒ — ابو جلیس ندوی ۵
- **مقالات**
علامہ اقبال اور تعلیم — عالیہ جمیل ۱۳
کفار سے مشابہت کیوں ممنوع ہے — پروفیسر سید محمد سلیم ۱۰
صحف ابراہیم — محمد رضی الاسلام ندوی ۲۲
- **مذاہب عالم**
یہودیت — انیس احمد فلاحی ۲۸
- **تحریکات عالم**
روشنی کتاب — مولانا افتخار الحسن مظہری ۳۲
- **شعر ونغمہ**
غزل — اختر جلال پوری ۳۷
- **اخبار علمیہ**
تاریخ اسلام کا ایک حیرت انگیز معجزہ — ابو فواد فلاحی ۳۸
- **رپورٹ**
تربیتی کیمپ — ادارہ ۳۹
- **جامعہ کے لیل ونہار**
نئے داخلے، مینی یونٹ کا انتخاب، اظہار تعزیت، امتحانی بورڈ اور تعلیمی کمیٹی کی نشست، دعاء صحت — ادارہ ۴۳
- **خطوط ومسائل** — نظام الدین اصلاحی ۴۰

اداریہ

کمال وسربلندی کا راز

علم میں درجہ کمال تک پہونچنا جد وجہد اور علو ہمت کے بغیر ممکن نہیں۔

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلی سہر اللیالی

محنت وکوشش کے بقدر ہی آپ شرف وبلندی سے ہمکنار ہوں گے۔ شرافت وبلندی کا خواہش مند راتوں رات بیدار رہ کر جد وجہد کرتا ہے۔

مشہور مقولہ ہے: من طلب شیئا وجد وجد، ومن قرع الباب ولج ولج

جس نے کسی چیز کی طلب وخواہش کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے لئے جد وجہد کی تو وہ اس چیز کو پاکر رہے گا ایسے ہی جیسے کوئی شخص مسلسل دستک دیتا ہے تو وہ گھر میں ضرور داخل ہوگا۔

علم میں درجہ کمال کے حصول کے لئے شدید طلب وخواہش اور نیت خالصہ کا اہتمام لازمی ہے کہ سچی خواہش اور طلب کے بغیر ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں اور قوتوں کا ارتکاز ممکن نہیں اور ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کے حصول علم پر ارتکاز کے بغیر علم میں درجہ کمال تک پہونچنا گویا تیشہ فرہاد کے بغیر جوئے شیر لانا ہے۔

جد وجہد اور اجتہاد نہ صرف افراد کی ترقی وکامرانی کا راز ہے بلکہ قوموں کی ترقی وسرفرازی بھی جد واجتہاد پر ہی منحصر ہے۔

مسلم معاشرہ میں ہر میدان میں باصلاحیت افراد کی کمی کا تو شکوہ زبان زد عام وخاص ہے اس کا سب سے اہم سبب اجتہاد کا فقدان اور سستی وکاہلی کے احساسات کا قوائے عمل کو مفلوج کر دینا ہے۔ غرض، سعی پیہم ہی کامیابی اور کمال وسربلندی کا راز ہے۔ قدرتی طور پر اگر کسی کو ذہنی تفوق وامتیاز نہ بھی حاصل ہو تب بھی مسلسل کوشش، لگاتار مشقت اور پیہم حرکت وعمل کی جانفشانیوں سے امتیاز وفوقیت

کا نشان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے ایک بار اپنے عزیز شاگرد امام ابو یوسف سے فرمایا تھا کہ:

"تم کوتاہ ذہن تھے لیکن علم کے اس رتبہ کمال تک صرف درس کی پابندی اور علم کے لئے مسلسل جد وجہد نے تمہیں پہونچایا ہے لہذا کاہلی و سستی سے احتراز کرتے رہنا کہ یہ بلاء جان ہے اور انسان کی شومئ قسمت کی دلیل ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

الجد یدنی کل امر شاسع   والجد یفتح کل باب مغلق

کوشش ہر بعید ترین چیز کو قریب تو نیز ہر پیچیدہ چیز کی گرہ کشائی کر دیتی ہے۔

جہاد و اجتہاد کے انھیں فوائد کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ یحب معالی الامور ویکرہ سفسافها"

اللہ رب العزت شرف وبلندی کے حامل امور کو پسند کرتے ہیں اور حقیر کی طلب وتمنا خدا کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے۔

قاضی شریحؒ

ابو جلیس ندوی

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے کسی دیہاتی کا گھوڑا خریدا، قیمت ادا کی اور اس کی پشت پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ گھوڑا بے دم ہو گیا، دوڑنے کے لائق نہ رہا، اسے لے کر واپس آئے اور بیچنے والے سے کہا اپنا گھوڑا واپس لو، یہ دوڑنے کے قابل نہیں ہے اس کو بیماری ہے۔

دیہاتی نے کہا: میں نے تو اسے صحیح وسالم حالت میں بیچا تھا اب واپس نہیں لونگا

حضرت عمرؓ نے کہا: تب کسی قاضی کے پاس چلو، وہ ہمارا تمہارا فیصلہ کر دے گا۔

دیہاتی نے کہا: ٹھیک ہے، چلئے قاضی شریح کے پاس چلتے ہیں۔

دونوں اپنا معاملہ لیکر قاضی شریحؒ کے پاس پہونچے۔

دیہاتی کی بات سن کر قاضی شریحؒ حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوتے، کہا امیر المومنین! کیا یہ بات سچ ہے کہ جس وقت آپ نے گھوڑا خریدا تھا، وہ صحیح وسالم تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں

قاضی شریحؒ نے کہا، تب تو گھوڑا آپ اپنے پاس ہی رکھئے یا پھر جیسا صحیح وسالم لیا تھا ویسا ہی واپس بھی کیجئے۔

حضرت عمرؓ قاضی شریحؒ کا منہ تکتے رہ گئے، فرمایا

واہ! اسے کہتے ہیں فیصلہ، بات اٹوٹ اور فیصلہ انصاف کے ماتھے کی تابندہ لکیر

انھوں نے شتاً ان کو کوفہ کا قاضی نامزد کر دیا۔

جس وقت وہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے، مدینہ کے لوگوں میں ان کی ذہانت

اور معاملہ فہمی کا چرچا عام ہو چکا تھا، علاوہ صحابہ و تابعین کو ان کی علمی لیاقت اور زندگی کے گہرے تجربات کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اور وہ ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے

حضرت شریحؒ یمن کے باشندے اور خانوادہ کندہ کے چشم و چراغ تھے زندگی کا معتد بہ حصہ جاہلیت میں گذارا، جزیرہ عرب کی سرزمین جب ہدایت کے نور سے جگمگائی اور اس کی کرنیں یمن تک پہنچیں تو اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں میں شریحؒ پیش پیش تھے، آپ کے علم و فضل کے قدر شناسوں کی تمنا تھی کہ آپ مدینہ جائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے شرف صحابیت حاصل کریں اور آفتاب نبوت سے براہ راست کسب نور کریں، لیکن، تقدیر سے آگے کون گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے شریحؒ کو جس وقت کوفہ کا قاضی بنایا تھا اس وقت بڑے بڑے صحابہ رسول موجود تھے لیکن حضرت عمرؓ کی فراست، حسن تدبیر اور نگہ انتخاب کے قربان، کہ مسلسل ساٹھ سال تک شریحؒ منصب قضا سے وابستہ رہے اور قاضی ہونے کی لیاقت و صلاحیت میں اپنی فوقیت کا ثبوت فراہم کرتے رہے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے بھی ان کو ان کے منصب پر برقرار رکھا حتی کہ امیر معاویہؓ کے بعد بنو امیہ کے تمام خلفاء نے بھی آپ کو اس منصب جلیل پر باقی رکھا، تا آنکہ جب ایک سو سات سال کی عمر ہوئی تو حجاج کے زمانہ میں اپنی معذوری ظاہر کر کے خود ہی اس منصب سے سبک دوش ہو گئے۔

اسلامی عدلیہ کی تاریخ قاضی شریحؒ کے کارناموں سے ہمیشہ جگمگاتی رہے گی اور اس کے صفحات ان کے حالات و واقعات کی بے مثال داستان سناتے رہیں گے ایک واقعہ آپ بھی سنئے۔

حضرت علیؓ کی ایک دل پسند قیمتی زرہ کھو گئی، کچھ دنوں کے بعد انہوں

نے دیکھا کہ ایک ذمی ان کی وہ زرہ کوفہ کے بازار میں بیچ رہا ہے، آپ نے زرہ دیکھتے ہی پہچان لی۔ الٹ پلٹ کر غور سے اسے دیکھا اور جب یقین و اطمینان ہو گیا کہ وہ ان ہی کی کھوئی ہوئی زرہ ہے، تو ذمی سے کہا یہ زرہ میری ہے۔ فلاں شب فلاں جگہ میرے اونٹ سے گر گئی تھی۔

ذمی نے کہا: امیر المومنین! یہ زرہ میری ہے، میرے قبضہ میں ہے آپ کی کیسے ہے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا یہ زرہ میری ہے، میں نے کسی کے ہاتھ بیچا نہیں، کسی کو ہبہ کیا نہیں، پھر تمہاری کیسے ہو گئی۔

ذمی نے کہا ہمارا آپ کا فیصلہ اب قاضی ہی کرے گا۔

دونوں عدالت میں پیش ہو گئے، قاضی نے پہلے حضرت علیؓ کا بیان درج کیا حضرت علیؓ نے اپنے بیان میں کہا کہ میری ایک زرہ فلاں شب فلاں جگہ گر گئی تھی وہ اس آدمی کے پاس ہے۔

قاضی نے پھر ذمی سے بیان لیا۔

ذمی نے کہا، یہ زرہ میری ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ میرے ہاتھ میں ہے لیکن میں امیر المومنین کو جھوٹا بھی نہیں کہہ سکتا۔

دونوں کا بیان سن کر قاضی شریحؒ حضرت علیؓ کی جانب متوجہ ہو کر بولے امیر المومنین آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یقیناً سچ ہے، یعنی زرہ آپ کی ہے، لیکن اپنے دعوے کی صداقت کے لئے آپ کو دو گواہ پیش کرنے ہوں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا! میں دو گواہ پیش کرتا ہوں ایک میرا لڑکا حسن اور دوسرا میرا غلام قنبر۔

قاضی شریحؒ نے کہا لیکن باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی شرعاً معتبر نہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا سبحان اللہ کیا ایک جنتی کی گواہی معتبر نہیں، کیا آپ نے یہ حدیث نہیں سنی، کہ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

قاضی شریح نے کہا "یہ حدیث تو سچی ہے، لیکن باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی شرعاً معتبر نہیں ہے۔"

تب حضرت علیؓ نے ذمی سے کہا، "چونکہ ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ میرے پاس نہیں ہے اس لئے زرہ لے جاؤ، اب یہ سچ مچ تمہاری ہے۔"

ذمی حیرت زدہ رہ گیا کہ امیر المومنین عدالت میں پیش ہوں اور فیصلہ ان کے خلاف صادر ہو۔ اس کے ضمیر نے پکار اٹھا کہ جو دین حق وانصاف کا ایسا نمایندہ ہو وہ یقیناً سچا ہے چنانچہ فوراً کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

عدل وانصاف کی یہ ادائیں دیکھیں تو ذمی کو حق چھپانے کا یارا نہ رہا۔ بے اختیار ہو کر بولا:-

"آپ کے پاس گواہ نہیں ہیں تو میں خود گواہی دیتا ہوں کہ زرہ آپ کی ہے۔"

بھلا انصاف کی اس حق نمائی پر کون دل وجان سے قربان نہ ہوگا کہ امیر المومنین عدالت کے روبرو حاضر ہوں اور فیصلہ ان کے خلاف چلا جائے۔ جو دین انصاف کی ایسی طاقتور ضمانت فراہم کرے وہ یقیناً سچا دین ہے، یہ کہتے ہوئے اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

پھر مسلمان ہونے کے بعد زرہ پانے کی تفصیل اس طرح بیان کی اس نے قاضی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:-

"جب اسلامی فوجیں صفین کی جانب کوچ کر رہی تھیں تو میں بھی پیچھے ہو لیا دوران سفر خاکستری رنگ کے اونٹ سے یہ زرہ گر کر زمین پر آ رہی، میں نے چپکے سے اسے اٹھا لیا۔"

حضرت علیؓ نے اس کی حق بیانی دیکھی تو فرمایا۔

"چونکہ اب تم مسلمان ہو، اس لئے یہ زرہ بھی تم کو ہبہ کر رہا ہوں اور ساتھ ہی یہ گھوڑا بھی تم پر نثار کر رہا ہوں۔"

اس واقعہ کو زیادہ دن نہیں بیتے ہوں گے کہ نہروان کی جنگ میں حضرت علیؓ کے جھنڈے تلے خوارج سے جنگ کرتے ہوئے وہ شہید ہو گیا۔

قاضی شریحؒ کی عدل پروری کا ایک نادر واقعہ یہ بھی ہے کہ ان کے بیٹے نے ان سے ایک دن کہا کہ ابو جان فلاں آدمی سے میری نزاع چل رہی ہے آپ معاملے کے قانونی پہلوؤں پر غور کر کے بتائیں کہ فیصلہ میرے حق میں ہوگا یا میرے خلاف اگر میرے حق میں ہونے کی امید ہو تو میں عدالت سے چارہ جوئی کروں ورنہ پھر صلح کر لوں

قاضی شریحؒ کے بیٹے سے کہا جاؤ عدالتی چارہ جوئی کرو۔ لڑکا فوراً اپنے فریق کے پاس گیا اس سے بات کی اور پھر اسے لے کر عدالت پہنچ گیا۔

دونوں کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد قاضی نے جو فیصلہ سنایا وہ ان کے اپنے لڑکے کے خلاف تھا۔

قاضی شریحؒ جب گھر آئے تو لڑکا جز بز ہوا اس نے کہا ابا جان آپ نے مجھے خواہ مخواہ رسوا کیا۔

قاضی شریحؒ نے اسے سمجھایا، "بیٹے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ تم مجھے محبوب وعزیز ہو لیکن یہ نہ بھولو کہ تمہاری محبت اللہ کی محبت کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے، دیکھو اگر میں تم کو یہ بتا دیتا کہ فیصلہ تمہارے حق میں نہ ہوگا، تو تم صلح کر لیتے، اور صلح کی صورت میں فریق کا کچھ نہ کچھ حق ضرور تمہارے حصہ میں آ جاتا، اس لئے اللہ کے خوف کی وجہ سے میں نے تم کو مشورہ دیا کہ معاملہ عدالت میں لے جاؤ۔"

عدلیہ کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ قاضی شریح کے لڑکے نے، عدالت میں ماخوذ کسی آدمی کی ضمانت پیش کی۔ قاضی نے ضمانت منظور کر لی، چند ہی دنوں کے بعد وہ آدمی فرار ہو گیا، قاضی شریحؒ نے اپنے ضامن لڑکے کو اس کی جگہ قید میں ڈال دیا اور خود اس کا کھانا لے کر روزانہ جیل جاتے۔

کبھی کبھی بعض گواہوں کے بارے میں قاضی شریح کو شبہ ہوتا لیکن شروط

عدالت مکمل ہونے کے سبب ان کی شہادت کو رد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ایسے موقع پر وہ ان سے کہتے :۔

دیکھو اس آدمی کے خلاف فیصلہ اصلاً تم لوگ کر رہے ہو میں تمہاری گواہی کی آڑ لیکر جہنم کی آگ سے بچ رہا ہوں، حالانکہ تم کو اس سے بچنے کی زیادہ فکر کرنی چاہیئے، اس لئے گواہی سے باز آجاؤ۔ اگر اس تفہیم کے بعد بھی وہ گواہی دینے پہ اصرار کرتے تو جس کے حق میں گواہی دینے کے لئے یہ لوگ آئے ہوتے اس سے کہتے ۔

دیکھو ! میں جانتا ہوں کہ تم حق پر نہیں ہو، لیکن ان گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر تمہارے حق میں فیصلہ سنا رہا ہوں، اس لئے مرے فیصلے سے کوئی حرام چیز تمہارے لئے حلال نہیں ہو جائے گی، اس لئے حرام سے بچو اور اللہ سے ڈرو ۔

قاضی شریحؒ جب عدالت میں بیٹھتے تو بار بار بلند آواز سے کہا کرتے ظلم کرنے والے کو کل معلوم ہو جائے گا کہ خسارہ کس کا ہوا۔

" ظالم کو ظلم کی سزا مل کے رہے گی۔ اور مظلوم کو انصاف مل کے رہے گا"

" میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جو شخص اللہ کے ڈر سے کوئی چیز چھوڑ دے گا اسکی کمی کا احساس اس کو کبھی نہیں ستائے گا۔

قاضی شریحؒ اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور اس کے احکام کے نفاذ کے سلسلے میں جس طرح مخلص تھے اسی طرح عام مسلمانوں کے ساتھ بھی ان کا معاملہ اخلاص پر ہی مبنی ہوتا۔ ایک آدمی کا بیان ہے کہ :۔ میں اپنے ایک دوست سے اپنی مصیبت و پریشانی بیان کر رہا تھا، اتفاق سے ان کے کانوں تک آواز پہونچ گئی انھوں نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور تنہائی میں لیجا کر کہا :۔

میرے بھائی اللہ کے سوا کسی اور سے اپنی مصیبت و پریشانی کا رونا مت رؤو، کیونکہ اگر وہ تمہارا دوست ہوگا تو تمہاری مصیبت سے غم زدہ ہوگا اور اگر تمہارا دشمن ہوگا تو من ہی من میں خوش ہوگا، پھر انھوں نے اپنی ایک آنکھ

کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ دیکھو پندرہ سال ہوتے، میری اس آنکھ کی بینائی ختم ہو گئی لیکن آج تک میں نے کسی کو نہیں بتایا۔ تم کو بھی آج اس موقعہ سے بتا رہا ہوں ورنہ نہ بتاتا کیا تم نے اللہ کے نیک بندوں کی یہ بات نہیں سنی۔

انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ

" میں اپنی پریشانی اور دکھ درد صرف اللہ سے کہتا ہوں اور سے نہیں"

اس لئے تم بھی اپنی پریشانی صرف اللہ ہی سے بیان کرو اور اسی سے اس کے دفع ہونے کی دعا مانگو، اسی سے امن و امان اور راحت و اطمینان کی التجا و آرزو کرو کیونکہ وہ مانگنے والے کے ساتھ سب سے زیادہ کرم کا برتاؤ کرتا ہے اور ہر دعا مانگنے والے کی دعا اور پکارنے والے کی پکار سب سے پہلے سنتا ہے

ایک بار کا واقعہ ہے کہ انھوں نے کسی آدمی کو کسی سے سوال کرتے دیکھا تو اس سے کہا۔

کسی سے سوال کرنا اپنے آپ کو اس کا غلام بنانے کے ہم معنی ہے اگر وہ اس کی ضرورت پوری کر دے تو نتیجہ میں اس کو اپنا غلام اور ماتحت سمجھنے لگتا ہے اور اگر ضرورت پوری نہ کرے تو دونوں کی رسوائی ہوتی ہے۔

سوال کرنے والا تو اس لئے رسوا ہوا کہ اس کی زبان خالی گئی اور دوسرا اس لئے رسوا ہوا کہ بخیل ہونے کا الزام اس پر آیا، اس لئے جب بھی سوال کرنا ہو اللہ سے کرو، جب بھی کچھ مانگنا ہو اللہ سے مانگو، یہ بات حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت و طاقت نہیں ہے، الا یہ کہ اللہ اس کو قوت و طاقت سے نوازے۔

ایک بار کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی۔ قاضی شریحؒ کا ایک دوست وبا سے بچنے کے لئے نجف چلا گیا تو انھوں نے اسے لکھا کہ :۔

جو جگہ چھوڑ کر تم بھاگے ہو وہ تمہاری موت کو کھینچ کے قریب نہیں لا سکتی

علامہ اقبالؒ اور تعلیم

عالیہ جمیل

علامہ اقبال مورخ ،فلسفی ،شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریات کے بڑے حامی اور عقیدت مند تھے۔ ان کی شاعری میں موجود وجدت نے دنیا کے ہر طبقہ فکر کو متاثر کیا اپنی شخصیت میں موجود لاتعداد خصوصیات کی بنا پر ملت اسلامیہ کی دلی وابستگی اور عقیدت حاصل تھی ۔ اقبال ایک ایسے فلسفی تھے جن کی تمام تر صلاحیتیں صرف سوچ و فکر تک ہی محدود نہیں تھیں ۔ بلکہ وہ فلسفے کو زندگی کے عملی پہلوؤں سے ہم آہنگ کرتے تھے انھوں نے معمولی معمولی مسئلوں کو بڑی خوش اسلوبی اور سمجھداری سے حل کیا جس کی بڑی مثال مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو ایک معاشرے میں تشکیل کرنا تھا۔ ان کی سوچ و عمل میں نئی روح پھونکی ۔

علامہ اقبال کی شاعری کو تمام اکابرین قوم نے ایک "پیغام" سے تعبیر کیا جس کی بنیاد اسلام پر رکھی گئی ۔ اقبال شاعر سے زیادہ ایک معلم تھے ۔ جنھوں نے شاعری کو محض شاعری کے بجائے اپنے تعلیمی افکار و نظریات کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کے لئے ذریعہ سمجھا کیونکہ ان کے پیش نظر مسلمان قوم کی ایک خاص انداز کی تعلیم و تربیت اولین مقصد تھا اور وقت اور حالات کے مطابق ان کی شاعری کو قبول عام حاصل تھا اور ان کی شاعری سے بھی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری کے فن سے اقبال کی توجہ اپنے مقصد کی ترویج و اشاعت پر ہے ۔

ایک خط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ ۔

" فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی ۔ ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لئے اس ملک کے حالات و روایات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ

اور نہ ہی تمہاری زندگی کے ایام تم سے چھین سکتی ہے ، اور جس جگہ تم بھاگ کر گئے ہو وہ اس ذات کے مکمل قبضہ میں ہے جس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا دیکھو ہم اور تم چاہے جہاں بھی رہیں ، ایک ہی بادشاہ کی حکومت میں رہیں گے ۔ اور نجف قادر مطلق خدا سے دور نہیں ہے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اپنی رضا کی آغوش کھول دے کہ انھوں نے اسلامی عدلیہ کو قاضی شریحؒ جیسا صاحب بصیرت ، معاملہ فہم صاحب الرائے اور حق شناس و حق آگاہ قاضی دیا ، جس نے اسلامی عدالت کی شان دوبالا کر دی اور قاضی شریحؒ پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے کہ انھوں نے ساٹھ سال تک مسلسل عدل و انصاف قائم کرنے اور حق دار کو اس کا حق دلانے میں کسی دنیاوی غرض کو آڑے نہیں آنے دیا ۔

فارم ۴

ماہنامہ مجلہ حیات نو

مقام اشاعت : بلریا گنج اعظم گڑھ

وقفۂ اشاعت : ماہنامہ

مالک : انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح ، بلریا گنج اعظم گڑھ

پرنٹر و پبلشر : نور محمد ، جامعۃ الفلاح ، بلریا گنج اعظم گڑھ

ایڈیٹر : نور محمد ، جامعۃ الفلاح ، بلریا گنج اعظم گڑھ

میں نور محمد پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا وضاحتیں میرے علم و اطلاع کے مطابق صحیح ہیں ۔

نور محمد

اختیار کرلیا ہے۔"

انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ہر مسئلے کا تسلی بخش حل پیش کیا۔ اس سلسلے میں اپنے نظریات وخیالات کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا۔

ڈاکٹر آرنلڈ کا قول ہے کہ:

"اقبال کی شاعری انکشافِ حقیقت ہے"

اور ڈوائن کے نزدیک

"اقبال جیسے مفکر صدیوں میں جنم لیتے ہیں"

علامہ اقبال نے تعلیم جیسے مسئلے کو بھی اپنی دانشمندی اور حکیمانہ سوچ سے حل کیا۔ اس سلسلے میں اپنے قابلِ قدر نظریات پیش کئے۔ اقبال کے نظریہ تعلیم پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اقبال کی علم سے مراد کیا ہے۔

جس کی وضاحت ان کے اس خط سے ہو جاتی ہے جو انھوں نے غلام السیدین کے نام تحریر فرمایا۔ آپ اس میں لکھتے ہیں۔

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے عام طور پر میں نے علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے اور علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطانیت ہے۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ علم حاصل کریں.... اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوعِ انسانی کے لئے سراسر رحمت ہے"۔

علامہ اقبال کے دوسرے نظریات کی طرح ان کے نظریۂ تعلیم کی بنیاد بھی مذہبی تھی۔ انھوں نے علم کو حاصل کرنے کی اصطلاح استعمال خدا کی رضا کے مطابق بنی نوعِ انسانی کے مفادات کے لئے کرو اور اس علم کو سراسر خیر کی علامت ہونا چاہئے۔

شاعرِ مشرق جدید سائنس اور دیگر علوم کے مخالف ہرگز نہ تھے وہ جانتے تھے کہ جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ان کا حصول ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ

ساتھ اسلامی تعلیمات وعقائد کی یکسر فراموشی بھی غلط ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک مغربی علوم وتہذیب کی اندھا دھند تقلید ہی مسلمانوں کی ذہنی بصیرت چھین لینے کا سبب بنی۔ جس سے ان کے قومی تشخص کا وجود برقرار رہتا تھا۔

علامہ اقبال ہر لحاظ سے ایک اسلامی فکر کے حامل فرد تھے۔ ان کے افکار وخیالات، ان کے عقائد وتعلیمات کا سرچشمہ شریعت الٰہی اور رحمت العالمین کی ذات والاصفات ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ طلباء اسلاف کی تاریخ روایات، سیاسی کارناموں، تمدنی خوبیوں اور اخلاقی اوصاف سے آگاہ ہوں اور نئی نسل ان سے کچھ سبق لے اور ان شاندار کارناموں کو دہرا سکے۔ علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم صرف تن پروری اور ذریعہ معاش ہی تک محدود نہیں بلکہ اس نیت سے حاصل کی گئی تعلیم زیادہ مفید بھی نہیں ہے۔ تعلیم کا اصل مقصد انسان کو زیورِ انسانیت سے آراستہ کرنا ہوتا ہے۔ ایسے انسان پیدا کرنا ہوتا ہے جو ہر اعتبار سے مکمل ہوں۔ جن کے عادات وخصائل، کردار واطوار کی تربیت ایسی کی جائے کہ وہ نہ صرف انفرادی طور پر کامل واکمل ہوں بلکہ اجتماعی طور پر تمام انسانیت کے لئے فلاح وخیر کا باعث ہوں۔ پھر ان کے ذریعے ایسے معاشرے کی تشکیل کی جائے جو ہر اعتبار سے مکمل طور پر خوشحال، مطمئن اور خود مختار ہو۔

موجودہ طریقہ تعلیم مسلمانوں کی قومی اور تاریخی زندگی سے عدم مطابقت رکھتا ہے ہمارے ہاں کے فارغ التحصیل طلباء اپنے تہذیب وتمدن سے قطعاً دور ہوتے ہیں، ہماری تعلیم سچی اخلاقی تعلیم سے محروم ہے۔ اقبال اس بات کو شدت سے محسوس کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو قومیں مذہب کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرتی ہیں وہ اخلاق حسنہ سے محروم ہو جاتی ہیں کوئی شک نہیں کہ وہ مادیت میں عروج کی منزل پر پہنچ جائیں لیکن روحانیت کے میدان میں ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔

ہے۔ نفس کی دنیا کے معاملات کی اگر انہیں خبر ہو تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انسان خارج میں کسی شے کو اس وقت تک اختیار نہیں کرتا جب تک کہ داخل میں اور دل کی دنیا میں اس کو پسند نہ کرے۔ دل کی دنیا جب کسی شے کو کسی طریقے کو کسی تصور کو وجود کی سند عطا کر دیتی ہے تب خارج میں انسان اس کو اختیار کرتا ہے اور برملا اظہار کرتا ہے۔ پھر دل کی پسند کا معاملہ عجیب ہوتا ہے۔ وہ کسی ایک مقام پر نہیں ٹھہرتی۔ پھر مسلسل پیش قدمی جاری رہتی ہے۔ لیلیٰ جب پیاری ہوتی ہے تو لیلیٰ کا کتا بھی پیارا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس معاملہ میں وہ کسی شخص کی ڈانٹ، ڈپٹ، زجر و توبیخ کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص اسلام کو پسند کرتا ہے اور اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو ترتیب اوپر سے نیچے آتی ہے۔ پہلے کلمہ سیکھتا ہے، پھر نماز یاد کرتا ہے پھر احکام سیکھتا ہے، حتیٰ کہ پورا دین سیکھ لیتا ہے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص غیر اسلامی تصور یا طریقہ کو پسند کرتا ہے تو وہ اسلام سے دور ہٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اب ترتیب نیچے سے اوپر کو آتی ہے۔ سب سے پہلے اخلاص اور للہیت ختم، پھر آداب و اخلاق تبدیل ہو جاتے ہیں، پھر معاملات میں فرق آنے لگتا ہے، عبادات میں فرق آجاتا ہے۔ کلمہ کے انکار کی تو شاید ہی نوبت آئے۔ یہ تسمہ تو لگا رہتا ہے یہ ایک پھسلن ہے۔ جب ایک مرتبہ آدمی اس پھسلن پر روانہ ہو گیا تو وہ پھر نیچے پیندے میں ہی جا کر ٹھہرے گا، درمیان میں ٹھہرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اگر رکنا ہے تو آغاز ہی میں رکا جا سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کفار سے مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے۔

ایک قوم کا دوسری قوم سے اخذ کرنے کا فطری واسطہ بھی ہے۔ ایک قوم جب دوسری قوم سے قریب آتی ہے، ایک تہذیب دوسری تہذیب سے قریب آتی تو تمدنی اشیاء میں لین دین ہوتا ہے۔ ضرورت کی اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے۔ الفاظ اختیار کئے جاتے ہیں، مگر اس اخذ و اختیار میں وہ زبان اپنے قوام میں اور اپنے مزاج میں بگاڑ پیدا ہونے نہیں دیتی۔

کفار سے مشابہت کیوں ممنوع ہے؟

پروفیسر سید محمد سلیم

مذہب اگر پوجا پاٹ کا مجموعہ ہو تو اس کو کسی بھی نظام کا کسی بھی تہذیب کا ضمیمہ بننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اسلام ایک مذہب سے بہت زیادہ ہے درحقیقت وہ ایک دین ہے، ایک نظامِ زندگی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے "حقیقتِ اسلام" میں دینِ اسلام کے چھ اجزاء گنائے ہیں۔

۱۔ عقائد ۲۔ عبادات ۳۔ احکام ۴۔ عدلیہ و حدود و تعزیرات ۵۔ اخلاق و آداب ۶۔ اخلاص و تزکیہ۔ جدید دور کی تعبیرات میں اسلام ایک نظریہ حیات ہے، ایک تہذیب ہے، ایک کلچر ہے اور ایک تمدن ہے، اسلام اپنی ذات میں ایک عضویہ (ORGANISM) ہے، ایک کل (WHOLE) ہے، خود مکتفی ہے۔ اس کے مکمل ہونے کی سند اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمادی ہے۔ "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے۔"

اس کے اندر کوئی کسر نہیں رہ گئی جو خارج سے مانگ کر پوری کی جائے۔ کامل اور مکمل شے میں کوئی اگر زبردستی کسی چیز کو داخل کرتا ہے تو وہ اس کا حلیہ بگاڑتا ہے، اس کا مزاج اور اس کا قوام بگاڑتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلامتی دین اور تحفظ دین کے لئے فرمایا ہے کہ شر الامور محدثاتھا۔ سب سے برے کام نئی چیزیں دین میں داخل کرنا ہے۔ اور فرمایا۔ کل بدعۃ ضلالہ۔ ساری نئی باتیں گمراہیاں ہیں۔ دین کی انفرادیت، دین کا تشخص، دین کا امتیاز برقرار رکھنے کے لئے آپ نے فرمایا ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے بالآخر وہ ان میں ہی شامل ہو جاتا ہے۔

یہاں بعض سادہ لوح افراد یہ سوچتے ہیں کہ دوسری مشابہت اختیار کرنے میں کیا خرابی

ان الفاظ کو جوں کا توں نہیں لیتی ہے بلکہ ان کو اپنے مزاج کی خراد پر چڑھا کر نئی شکل نئی صورت دیدیتی ہے۔ اسی طرح مزاج میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے نہ قوام میں۔ قدیم زمانہ سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ اسلام سے قبل عربوں نے اپنی ہمسایہ قوموں سے الفاظ لئے ہیں۔

(الف) فردوس۔ بہشت۔ ایرانی۔ باغ فارسی

زرابی۔ آذربائیجان کی دری۔ "

سراج۔ چراغ۔ "

کافر۔	کپور	ہندی
مسک	موشکا	ہندی
قرنفل۔	کانی پھل	"

یہ الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوتے ہیں۔

یورپ کی زبانوں نے اندلس کے عربوں سے بہت سے الفاظ اختیار کیے ہیں

Cotton	قطن	(روئی) اصل میں تو ہندی ہے
earth	ارض	(زمین)
Track	طرق	
heh	منارہ	
Cao minaret	قط	(بلی)
cup	کوب	
cake	کعک	
syrup	شراب	
coffin	کفن	
caret	قیراط	
once	اوقیہ	
sparrow	عصفور	(چڑیا)

(ج) مغربی اقوام جب ہندوستان میں آئیں تو یہاں بہت سارے لوگوں نے ان کے الفاظ لے

پادری	Pedro	پرتگالی

گرجا	Igreja	" aogcloth لٹھا
پیسہ	peso	" Rileq naduniq بلی
باٹلی	Rotle	"
لالٹین	Lantern	انگریزی
ترپال	Trapanlin	"
گودام	Godown	"
کرنل	Colonel	"
جرنل	General	"
اجیٹن	Adjutant	"

اس اقدر اختیاری میں دو اصول بالکل نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس لفظ کو اختیار کی ضرورت تھی اور اس کو جوں کا توں نہیں لیا بلکہ اس کو زبان نے اپنے مزاج پر چڑھا یہ حالت ۱۸۵۷ء تک رہی جب تک مسلمانوں کے دل و دماغ میں غلامی کے مرعوبیت کے اثرات داخل نہیں ہوتے تھے ۱۸۷۷ء میں علی گڑھ درسگاہ کے قائم ہو کے بعد سے مرعوبیت کا نفوذ ہوا ہے۔ اب کسی چیز کو اختیار کرنے میں ضرورت کی حاجت نہیں تھی۔ اب تو اس لئے اختیار کیا جاتا تھا کہ حاکم قوم سے تقرب حا ہو۔ یہ ہے مرعوبیت۔ یہ ہے نقالی یہ ہے قومی شخص کی نفی بقول اقبال۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

پاکستان بن جانے کے بعد تو نقالی اور تقرب افرنگ کا ایک سیلاب بہہ نکلا اور اب تو یہ خواہش ہے کہ ہر شے انگریزی ہو۔ وہ جو لارڈ میکالے نے ۱۸۳۵ء میں جدید تعلیم رائج کرتے وقت ایک بات کہی تھی کہ اس تعلیم کے پروردہ بس رنگ و روپ میں ہندوستانی رہ جائیں گے۔ ورنہ ذہن فکر پسند جذبات ہر چیز میں انگریز کی تقلید کرنے لگیں گے۔ وہ حالت اب پاکستان میں پیدا ہو چکی ہے۔ ہر چیز انگریزی کا زبان سے اختیار کی جا رہی ہے۔ مثلاً۔

خانگی اشیاء - بیڈ روم - ڈرائنگ روم - کچن - باتھ روم - لیٹرین - وغیرہ - خاندانی رشتے
ڈیڈی، ممی، آنٹی، انکل، کزن وغیرہ

ان الفاظ کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کی مسلمان قوم دورِ وحشت سے نکل کر اب تمدن اختیار کر رہی ہے۔ نہ اس کی تہذیب ہے نہ اس کا تمدن ہے نہ اس کی تاریخ ہے۔ اب اگر انگریزی سے یہ تہذیبی الفاظ اختیار نہ کرے تو کیا کرے۔

دراصل ٹھیک یہ غلامانہ ذہنیت ہے۔ انگریز کی امریکہ کی ہر چیز اچھی ہے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ہیں وہ اختیار کر لینا چاہیئے۔ اکبر الہ آبادی نے اس صدی کے آغاز ہی میں جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دیکھ کر اس ذہنیت کا اندازہ لگا لیا تھا اور اس نے کہا تھا۔

چیز وہ جو آئے لندن سے — بات وہ جو پانیر میں چھپے

پاکستان بننے کے بعد چند غلامی کی بدعتیں ملاحظہ ہوں۔

اسلامی پبلی کیشنز - دارالاشاعت، نشریات اچھے خاصے الفاظ رائج تھے۔
مگر جماعت اسلامی نے یہ بدعت رائج کی ہے سو اب تو ہر شخص پبلی کیشنز کا متوالا بنا ہوا ہے۔

اردو ڈائجسٹ - الطاف حسین کی یہ ایجاد ہے۔ اس کے بعد بیسیوں ڈائجسٹ نکل آئے۔

فیملی - نوائے وقت کو خاندان کے لفظ سے معلوم نہیں کیوں نفرت ہے اس نے فیملی کو عام کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔

فرائیڈے اسپیشل - روزنامہ جسارت کراچی نے ہفتہ وار اشاعت کے لئے یہ نام منتخب کیا ہے۔

ننگے سر نماز پڑھنا - یہ بدعت اسلامی جمعیت طلبہ نے جاری کی ہے۔ اب عام ہو گئی۔

پاکستان بننے کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خان نے قومی لباس اسمبلی سے پاس کرا دیا تھا۔ وہ وہی تھا جو قائد اعظم پہنتے تھے۔ پاجامہ یا شلوار اور شیروانی۔ جنرل ایوب خان جب تشریف لائے تو انہیں یہ پسند نہیں آیا۔ انہوں نے پھر وہی کوٹ پتلون جاری کر دیا۔
ضیاء الحق نے گاڑی کو پٹری پر چڑھانے کی کوشش کی۔ مگر بیگم بھٹو نے پھر اس کو پٹری سے اتار دیا۔

گویا پاکستان کی قوم وہ ہے جس کا کوئی قومی لباس نہیں ہے۔ یہ کوئی نو دولتی قوم ہے۔ مسلمان حکمرانوں کا عجیب انداز ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مغربی لباس اختیار کرنے سے قوم ترقی کی معراج پر پہنچ جائے گی۔ اس لئے وہ لباس پر ضرب کر دیتے ہیں۔ وہ مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۲ء میں زبردستی لباس تبدیل کروا ڈالا۔ پولیس کو حکم تھا کہ عورتوں کے سروں سے دوپٹہ نوچ کر پھینک دو۔ رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۲۳ء نے مغربی لباس نافذ کیا۔ پولیس کو حکم دیا کہ عورتوں کے سروں کے دوپٹہ کو نوچ کر پھینک دو۔ امام موسیٰ رضا کے مزار مشہد کے علماء نے مزاحمت کی تو وہاں توپ خانہ چڑھا دیا۔ گویا یہ سب سے بڑا جرم تھا۔ توپ کے بغیر حل نہیں ہو سکتا تھا۔ حالانکہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ ہندو قوم دو سو سال سے انگریز کا پٹھو رہی ہے اور اپنا لباس ابھی پہنے پڑے ہے۔ راجہ رام موہن رائے۔ گوکھلے۔ گاندھی۔ نہرو۔ راجندر پرشاد۔ ڈکشٹ [illegible] ایک شخص نے بھی مغربی لباس اختیار نہیں کیا۔ اپنے قدیم لباس میں ملبوس رہے۔ حالانکہ ان کا لباس مسلمانوں کے [illegible] ہے اور بدزیب ہے۔ مگر مسئلہ تو قومی حمیت کا ہے اور قومی غیرت کا ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

(بشکریہ [illegible])

صحف ابراہیم

محمد رضی الاسلام ندوی
علیگڑھ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار ان اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالمگیر دعوت کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی وحی نازل کی۔ تاکہ وہ اللہ کی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کے انعامات کی بشارت دیں۔

"قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ" (البقرہ: ۱۳۶)

کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے۔ اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب کی طرف نازل ہوئی ہے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے

"اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ" (النساء: ۱۶۳)

(اے محمد) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ہم نے ابراہیم، اسحاق، یعقوب کی طرف وحی بھیجی۔)

یہی نہیں بلکہ قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر متعدد صحیفے نازل کئے۔ قرآن کریم وہ واحد الہامی و آسمانی کتاب ہے جس نے اپنی تعلیمات میں "صحف ابراہیم" کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ دوسری الہامی کتابوں میں اس کا کوئی

اشارہ نہیں ملتا۔

سورۂ نجم میں ہے۔

"اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰٓی" (النجم: ۳۶-۳۷)

کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں اور اس ابراہیم کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہے۔ جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔

سورۂ اعلیٰ میں قرآن کریم بعض تعلیمات بیان کرنے کے بعد کہتا ہے۔

"اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی" (الاعلیٰ: ۱۹)

یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

صحف ابراہیمی کی تعداد؟

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: "میں نے حضور سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟ ارشاد فرمایا: ایک سو چار کتابیں حضرت شیثؑ پر پچاس صحیفے، حضرت ادریسؑ پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیمؑ پر دس صحیفے۔ حضرت موسیٰ پر تورات نازل کرنے سے پہلے دس صحیفے، اور تورات، انجیل، زبور اور قرآن"[۱]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیس صحیفے نازل ہوئے ان روایات میں حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہونے سے پہلے کسی صحیفہ کے نازل ہونے کا تذکرہ نہیں ہے[۲]

صحف ابراہیمی کا زمانہ نزول

"صحف ابراہیم" کب نازل ہوئے؟ اس کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ غالب گمان یہ ہے کہ اس کا بعض حصہ قوم لوط کی ہلاکت کے بعد نازل ہوا ہے اس لئے کہ صحف ابراہیم کی جن بعض تعلیمات کا قرآن نے حوالہ دیا ہے ان میں قوم لوط کا بھی ذکر ہے۔ واللہ اعلم

اَهْوٰى فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى۔ اس آیت میں قوم لوط کی بستیوں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے ان کو "موتفکہ" کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ الٹ کر تباہ و برباد کر دی گئی تھیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کی طرف اپنے ایک رسالہ میں اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صحف قوم لوط کی ہلاکت کے بعد عطا ہوئے تھے۔ اس لئے کہ سورۂ نجم میں قوم لوط کے ہلاک ہونے کا بھی ذکر ہے" [3]

علامہ طبریؒ نے اپنی تفسیر میں ابوخالد سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "صحف ابراہیم رمضان کی پہلی رات کو نازل ہوئے" [4]

صحف ابراہیم عصر حاضر میں؟

صحف ابراہیم کا وجود آج کل ہے (اگر ہے تو تورات و انجیل کی طرح محرف صورت میں) یا نہیں۔ اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ غالب گمان یہی ہے کہ وہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے اور آج ان کا کوئی وجود باقی نہیں۔ البتہ اس زمانے میں بعض کتابیں ایسی ملتی ہیں جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے ان نسخے کے بعض مشتملات اصلی صحف ابراہیم سے مستفاد ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

۱۸۹۲ء میں ایم آر جیمس نے یونانی زبان سے ایک قدیم "صحیفہ ابراہیمی" کا ترجمہ کیمبرج سے شائع کیا۔ اور پھر دوسری یورپی زبانوں میں اس کے ایڈیشن نکلے ہیں [5]

اسی طرح لندن کی ایک مذہبی سوسائٹی نے ۱۹۲۷ء میں ایک کتاب "وصیت نامہ ابراہیم" (THE TESTAMENT OF ABRAHAM) کے نام سے شائع کی تھی جو یونانی زبان میں کسی کتاب کا ترجمہ تھی اور اس کو مسٹر جی۔ ایچ۔ بوکس نے یونانی سے انگریزی میں منتقل کیا تھا۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ کتاب اصل عبرانی زبان میں تھی اور پہلی صدی عیسوی میں اس کو مصر میں یونانی زبان کا لباس پہنایا گیا تھا [6]

ڈاکٹر اسماعیل راجی فاروقی پروفیسر ٹمپل یونیورسٹی فلاڈلفیا امریکہ نے اپنی کتاب "العروبہ" میں ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے جسے کسی زمانہ میں ایک بائبل سوسائٹی نے

صحیفۂ ابراہیم (THE BOOK OF ABRAHAM) کے نام سے شائع کیا تھا اس کی بعض تعلیمات کا قرآن کی تعلیمات سے موازنہ کیا ہے۔ اور بڑے دلچسپ انداز میں دونوں کی تعلیمات میں یکسانیت دکھانے کی کوشش کی ہے [7]

صحف ابراہیم کی تعلیمات؟

قرآن کریم نے نہ صرف یہ کہ صحف ابراہیم کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ان کی بعض تعلیمات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اگر قرآن کریم کے یہ اشارے نہ ہوتے تو صحف ابراہیم کے بارے میں جاننے کا ہمارے پاس کوئی مستند ذریعہ نہ ہوتا۔ قرآن کے علاوہ بعض احادیث میں بھی کچھ تعلیمات مذکور ہیں۔ مندرجہ ذیل میں ہم ان کا ذکر کر رہے ہیں۔

قرآن میں دو جگہ صحف ابراہیم کی بعض تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔ ایک سورہ نجم میں اور دوسری سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیات میں۔

سورۂ نجم میں ہے۔

"کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہونچی جو موسیٰ کے صحیفوں اور اس ابراہیم کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہے جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔ اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔ اور اس کی پوری جزا اسے دی جائے گی۔ اور یہ کہ آخر کار پہونچنا تیرے رب ہی کے پاس ہے اور یہ کہ اسی نے ہنسایا اور اسی نے رلایا۔ اور یہ کہ اسی نے موت دی اور اسی نے زندگی بخشی۔ اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے۔ اور یہ کہ دوسری زندگی بخشنا بھی اسی کے ذمہ ہے اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور جائداد بخشی۔ اور یہ کہ وہی شعریٰ کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا۔ اور ثمود کو ایسا مٹایا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا کیونکہ وہ تھے سخت ظالم و سرکش لوگ۔ اور اوندھی گرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا۔ پھر چھا دیا ان پر وہ کچھ جو تم جانتے ہو کہ کیا چھا دیا۔

پس (اے مخاطب) اپنے رب کی کن کن نعمتوں پر تو شک کرے گا"۔ (النجم: ۳۶-۵۵)

سورہ اعلیٰ میں ہے۔

"فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں" (الاعلیٰ: ۱۴-۱۹)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحف ابراہیم میں امثال و حکم کے مضامین تھے:

حضرت ابوذرؓ سے مروی ایک حدیث میں صحف ابراہیمی کی بعض تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل فرمائے۔ (حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! صحف ابراہیم میں کیا باتیں تھیں؟ فرمایا: صحف ابراہیم تمام کے تمام "امثال" پر مشتمل تھے (ان میں سے بعض امثال یہ ہیں):

"اے فریب خوردہ بادشاہ! میں نے تجھے دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تو دنیا کا مال و متاع جمع کرنے میں لگ جائے۔ بلکہ میں نے تجھے اس لئے بھیجا ہے تاکہ تو مجھ تک مظلوم کی بددعا نہ پہنچنے دے۔ کیونکہ میں مظلوم کی بددعا کو نہیں لوٹاتا ہوں۔ خواہ کافر ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔

"عقلمند کو چاہیے کہ وہ اپنے لئے کچھ ساعتیں مخصوص کرے۔ ایک ساعت میں اپنے رب سے مناجات کرے۔ ایک ساعت میں اللہ کی صنعت و کاریگری میں غور و فکر کرے۔ ایک ساعت میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ اور ایک ساعت میں کھانے پینے کی حلال ضرورتوں کو پورا کرے۔

"عقلمند کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے سے واقف اور آگاہ ہو۔ صرف اپنے کام سے کام رکھنے والا اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ جو شخص اپنی گفتگو کو اپنے

اعمال کا جزء سمجھے گا وہ لایعنی اور فضول باتوں سے احتراز کرے گا"۔

"عقلمند کو چاہیے کہ وہ تین چیزیں حاصل کرے۔ زندگی گزارنے کے لئے روزی آخرت کے لئے زاد اور حلال ذرائع سے لذت"۔۹

علامہ سیوطی نے اتقان میں قرآن کریم کی کچھ مزید آیتوں کے بارے میں روایات نقل کی ہیں کہ وہ صحف ابراہیم میں بھی تھیں۔

الحاصل قرآن کریم وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے نہ صرف یہ کہ صحف ابراہیمی کا ذکر کیا، بلکہ اس کی بعض تعلیمات کا حوالہ دے کر ان کی تصدیق بھی کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حیاۃ ابراہیم۔ احمد شلبی ص ۲۴۷، قصص الانبیاء ثعلبی ص ۱۲۶
۲۔ کتاب المعارف، ابن قتیبہ ص ۱۶، کتاب التیجان۔ ابن ہشام ص ۲
۳۔ الترتیب اللطیف فی قصۃ الکلیم والحنیف۔ مولانا اشرف علی تھانوی ص ۳۰
۴۔ تفسیر جامع البیان، طبری تیسواں پارہ ص ۱۵۹
۵۔ تفسیر ماجدی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی (تاج کمپنی) ص ۱۱۹۱
۶۔ ماہنامہ برہان دہلی۔ مئی ۱۹۸۳ء بحوالہ علامہ عبداللہ یوسف علی کی انگریزی تفسیر
۷۔ ماہنامہ برہان دہلی مئی ۱۹۸۳ء
۸۔ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر اول ص ۵۱، المختصر فی تاریخ البشر، ابوالفداء اسماعیل اول ص ۱۴
حیاۃ ابراہیم ص ۳۲۹
۹۔ حیاۃ ابراہیم ص ۳۲۹، قصص الانبیاء للثعلبی ص ۱۰۶-۱۰۷

نویں قسط

یہودیت

انیس احمد فلاحی

۳ پروٹوکولات

پروٹوکولات انگریزی لفظ ہے اس کی واحد پروٹوکول ہے جس کے معنی دستاویز یا شرائط کا مسودہ ہے۔

عرف عام میں پروٹوکولات سے مراد وہ وثائق ہیں جنہیں بیکر کی شکل میں صیہونی رہنماؤں نے صیہونیوں کے سامنے پیش کیا تھا تاکہ وہ ان رہنما اصولوں کی روشنی میں پورے عالم کو زیر و سرنگوں کر سکیں۔

تدوین

یہ وثائق سوئزرلینڈ کے مشہور شہر "بال" میں سنہ ۱۸۹۷ء میں واقع صیہونیت کے اجلاس میں پیش کیے گئے تھے جس میں دنیا کی مختلف پچاس یہودی جماعتوں کے نمائندے شریک تھے اس کے لکھنے والے غیر معروف ہیں۔

پروٹوکولات کا مقصد

صیہونیوں کا اس خط و منہج سے واقف کرانا ہے جس کے ذریعہ وہ پورے عالم کو سرنگوں اور زیر کر سکیں۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں پہلی بار دنیا والوں کو ان وثائق کی خبر ملی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک فرانسیسی عورت کسی صیہونی لیڈر سے (پیرس) میں اس کے ایک خفیہ اڈے میں ملنے گئی جہاں اس کی نگاہ ان وثائق پر پڑی جنہیں لیکر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ وثائق شاہ زار کے زمانے میں روس کے ایک اہم منصب پر فائز شخص "الیکس نیقول" کے ہاتھ لگے۔ انہوں نے اس کے خطرہ کا اندازہ لگاتے ہوئے اپنے ایک ادیب دوست "سرجی نیلوس" کے حوالہ کیا جس نے اس کا روسی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کے پیش لفظ میں اشتراکیوں کے ہاتھوں روس کی شاہی حکومت کے گرانے اور پھر پورے عالم میں اس اشتراکی حکومت کے ذریعہ قتل و اضطراب کی فضا پیدا کرنے کی

پیشین گوئی کی۔ اور اسی طرح اس نے خلافت اسلامیہ کے سقوط، فلسطین میں مملکت اسرائیل کے قیام اور یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور زمین داریوں کے خاتمہ اور ایسی عالمی جنگوں کے برپا ہونے کی پیشین گوئی کی جس میں دونوں فریق سراسر نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے سوائے یہود کے۔

کتاب پہلی بار ۱۹۰۲ء میں روسی زبان میں منظر عام پر آئی۔ جب یہود کی نگاہ اس پر پڑی تو ان کے ہوش و حواس غائب ہو گئے اور اس کتاب سے اپنی براءت کا اظہار کرنے لگے۔ لیکن ان کی سراسیمگی اس کتاب کی نسبت کے صحیح ہونے پر دلالت کر رہی تھی۔

دوسری بار یہ کتاب ۱۹۰۵ء میں منظر عام پر آئی۔ لیکن یہودیوں نے ارادے اس کتاب کے تمام ہی نسخوں کو خرید کر جلا دیا۔ پھر تیسری بار ۱۹۱۱ء میں چھاپی گئی لیکن اس ایڈیشن کے تمام نسخے بھی مذکورہ بالا طریقہ سے غائب کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۷ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن نکلا جس پر یہودیوں نے پابندی لگا دی کیونکہ روس کی زمام کار شاہی حکومت کے زوال کے بعد انھیں کے ہاتھوں میں تھی۔ البتہ ۱۹۰۵ کا ایک نسخہ لندن پہونچا جس پر ۱۹۰۶ میں مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ نسخہ یوں ہی لندن کی لائبریری میں روسی اشتراکی انقلاب کے آنے تک پڑا رہا۔ انقلاب کے بعد ایک اخبار "مورننگ پوسٹ" نے اپنے ایک مراسلہ نگار "فکٹور مارسدن" سے انقلاب کی تفصیلی رپورٹ چاہی۔ اس رپورٹ کی تیاری کے دوران اس کی نگاہ پروٹوکولات پر پڑی جس میں اشتراکیوں کے ہاتھ قیصریت روس کے زوال کی پیشین گوئی پڑھ کر اسے ان وثائق کی خطورت کا اندازہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جس کے پانچ ایڈیشن نکلے آخری ایڈیشن ۱۹۲۱ء میں نکلا اس کے بعد برطانیہ اور امریکہ کے کسی ناشر کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کتاب کو نشر کر سکے۔

یہود نے ان وثائق کو غائب کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ان کی مسلسل کوششوں کے باوجود بھی یہ کتاب دنیا کی مختلف زبانوں جرمنی، فرانسیسی، اٹلی، یونانی اور دیگر زبانوں میں شائع ہو گئی۔

۱۹۲۱م کے اس اڈیشن کا پہلی بار ۱۹۵۱م میں محمد خلیفہ التونسی نے عربی میں ترجمہ کیا جس کے پیش لفظ میں اس کتاب کی مختصر تشریح اور عصر حاضر میں مختلف حکومتوں میں یہود کے عمل دخل کی پوری وضاحت کی

پروٹوکولات کے محتویات

۱۔ یہود صدیوں سے پورے عالم پر غلبہ و اقتدار کے لئے منصوبے بناتے رہے ہیں۔ اور ہر زمانے میں ان کے قائدین زمانہ کے احوال و ظروف کے اعتبار سے اس میں تبدیلی کرتے رہے ہیں۔

۲۔ یہود ہمیشہ بادشاہتوں کے زوال اور تمام عالم میں جمہوریت کے قیام کے لئے کوشاں رہے ہیں تاکہ ان حکومتوں میں یہودی مفادات کے تحفظ میں دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۳۔ تمام ہی حکومتوں میں اختلاف و افتراق کے بیج بونا اور انہیں پروان چڑھانا۔ یہ اختلاف و انتشار مختلف سیاسی و دینی جماعتوں، اور کھیل کود کے مختلف کلبوں اور محفلوں کے ذریعہ پھیلایا جاتا ہے۔

۴۔ پورے عالم کی حکومتیں ظلم و فساد پر مبنی ہیں لہذا ان میں مزید اخلاق فساد و بگاڑ پیدا کرنا تاکہ عالمی یہودی حکومت کا قیام ممکن ہو سکے، جس کا صدر مقام پہلے یوروشلم میں ہوگا اور پھر روم میں۔

۵۔ پوری کوشش ہو کہ نشر و اشاعت کے تمام ادارے یہودیوں کے زیر تسلط رہیں نیز صحافت، مدارس، یونیورسٹیاں، سینما کی کمپنیاں، تجارت، اور تمام ہی علوم و فنون پر انکی اجارہ داری قائم ہو جائے۔

۶۔ یہود کے پاس سونے کے جو ذخائر موجود ہیں انکے ذریعہ رائے عامہ کو بھڑکانے نوجوانوں کو بے راہ رو بنانے تمام ہی مذاہب اور قومیتوں اور لوگوں کے دینی ضمیر کو ختم کرنے

خاندانی نظام کو درہم برہم کرنے عوام کے اندر شہوانی و ہیجانی جذبات کو برانگیختہ کرنے خواہش اور بے حیائی کو عام کرنے میں صیہونیوں کو مدد ملنی چاہیئے۔

۷۔ عالمی معیشت کی بنیاد عمل و انتاج پر نہ رکھ کر سونے کے ذخیروں پر رکھی جائے نیز اقتصادی اعتبار سے عالمی سطح پر بے یقینی کی کیفیت پیدا کی جائے تاکہ دنیا کبھی امن و سکون سے ہمکنار نہ ہو سکے اور اپنے مصائب و پریشانیوں کے حل کے لئے یہودی مدد کی محتاج رہے نتیجۃً عالمی یہودی اقتدار کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔

۸۔ یورپ کی تادیب و سرزنش اور اسے یہودی اقتدار کے سامنے جھکانے کے لئے امریکا، چین اور جاپان سے مدد لی جائے۔

(دیکھئے: مقدمہ پروٹوکولات حکماء صیہون ص۳۱-۴۰ الیہودیۃ: احمد شلبی ص۲۸۰)

بقیہ:۔ اخبار علمیہ

اس معجزاتی بچہ کی پیاری آواز سے جامعہ سوث کے در و بام جھوم اٹھے، جب وہ علماء و مشائخ کے سوالات کے جوابات دیتا رہا۔ جہاں جہاں سے پوچھا گیا پوری روانی سے پڑھتا رہا، جس جس آیت کو پوچھا گیا فصیح عربی زبان میں اس کی تفسیر بھی کرتا رہا، یہی نہیں بلکہ آیات کے اسباب نزول بھی بتاتا رہا، حتی کہ آیت نمبر کیا ہے، کس سورۃ میں ہے اور کس صفحہ پر ہے، یہ بھی بتاتا رہا۔

آخر میں جب اس بچے سے پوچھا گیا کہ مستقبل میں اس کی کیا خواہش ہے؟ تو اس نے بڑے اعتماد سے کہا: میری آرزو ہے کہ میں ایک عالم بنوں۔

ماخوذ از: ہفت روزہ "عالم اسلامی" مکہ مکرمہ
بتاریخ: ۱ر مارچ ۱۹۹۸م
ترجمہ ابو فواد فلاحی اعظمی
جے، این، یو، نئی دہلی۔

روٹری کلب

مولانا افتخار الحسن مظاہری

روٹری کلب ایک اصولی تنظیم ہے جس میں نیچے سے اوپر تک یہودی چھائے ہوئے ہیں، اس کی اصل قوت محرکہ عالمی یہودی تنظیمات ہیں، چونکہ اس کے ابتدائی اجتماعات تنظیم کے ممبران اپنے اپنے آفسوں میں نوبت بہ نوبت منعقد کیا کرتے تھے، اس لئے اس کا نام روٹری IN ROTATION نوبت بہ نوبت یا باری باری رکھ دیا گیا۔

تاسیس اور نمایاں شخصیات

۱۹۰۵ء میں ایک ایڈووکیٹ پول ہیرس نے شکاگو میں اس کی بنیاد رکھی، تاسیس کے تین سال بعد "شیرلی پیری" اس میں شامل ہوا تو اس نے اسے تیز رفتار ترقی دی اور اس کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اس کا سیکریٹری جنرل بنا دیا گیا، اپنی بہتر کارکردگی کی وجہ سے ۱۹۴۲ء تک وہ اس عہدہ سے وابستہ رہا۔ آخر خود ہی معذوری کی بنیاد پر اس سے سبکدوشی حاصل کر لی۔

۱۹۴۷ء میں پول ہیرس کا جب انتقال ہوا تو یہ تنظیم دنیا کے اسّی ملکوں میں قدم انداز ہو چکی تھی اور اس کے ممبران کی مجموعی تعداد تین لاکھ ستائیس ہزار تک پہونچ چکی تھی نیز مختلف ملکوں میں اس کے چھ ہزار آٹھ سو کلب قائم ہو چکے تھے۔

۱۹۱۱ء میں یہ تنظیم برٹین پہونچی، وہاں اس تنظیم کو ایک آدمی "مورو" نام کا ملا۔ جس کی انتھک جد وجہد سے یہ بہت جلد پورے برطانیہ میں مقبول و معروف ہو گئی۔ مورو نے ہر ممبر کے لئے ممبری کی فیس مقرر کر کے تنظیم کو خود کفیل بنا دیا۔

۱۹۲۰ء میں اسپین کے شہر میڈرڈ میں یہ کلب قائم ہوا لیکن اس کی سرگرمیوں کی خطرناکیاں کس طرح محسوس کر لی گئیں اور اس کو ممنوع قرار دیدیا گیا پھر دوبارہ اپنی سرگرمی جاری رکھنے کی اجازت اسے کبھی نہ مل سکی۔

۱۹۲۱ء ہی میں یہ کلب فلسطین میں قائم ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب اسرائیل اسٹیٹ محض خواب وخیال کی بات تھی، عرب علاقوں میں اس کلب کو سب سے پہلے راہ ملی۔ پھر اس کے بعد الجزائر اور مراکش میں، فرانسیسی استبداد کے زیر سرپرستی اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ طرابلس میں بھی اس کلب کی شاخ قائم ہے جس کے ڈائرکٹر جان رونفس ہیں۔

۱۹۷۳ء میں یعقوب بازنیف اسرائیل کی روٹری کلب کا صدر تھا۔ ۱۲-۳۰ر ۱۹۷۳ء کو اسرائیل سے سسلی کے شہر تاورمینا پہونچا تاکہ اس کانفرنس میں شریک ہو سکے جو اٹلی کی روٹری کلب منعقد کرنے والی تھی، اس کانفرنس کے بارے میں دعوی کیا گیا تھا کہ وہ عرب اسرائیل مشترک کانفرنس ہے کیونکہ اسرائیلی وفد کے دوش بدوش اس میں عرب ممالک کے وفود بھی شریک تھے، اس کانفرنس کا پہلا مقرر مختار عزیز تھا جو تونس کی روٹری کلب کا نمایندہ تھا اس کے بعد یعقوب بازلیف نے تقریر کی جو یہودی تھا اور اسرائیل کی روٹری کلب کا صدر تھا۔

افکار وعقائد

دینی اور وطنی عقیدت ومحبت کا خاتمہ اس تنظیم کا دینی بنیادی عقیدہ ہے، چنانچہ کسی ممبر کے انتخاب میں اس کی دینی اور وطنی حیثیت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ممبران کے باہمی تعلقات میں یہ چیز اثر انداز ہوتی ہے۔

روٹری کلب اپنے تمام ممبران کو ان مذاہب کی ایک فہرست مہیا کرتا ہے جو اس کے نزدیک تسلیم شدہ ہیں، وہ تمام مذاہب اس کے نزدیک یکساں ہیں، اور ان میں کوئی جوہری فرق نہیں۔ ابجدی ترتیب کے مطابق ان مذاہب کے نام یہ ہیں۔

عیسائیت، کنفیوشسش، مجوسیت، ہندوئیت اور یہودیت، فہرست کے آخر میں ایک مذہب طاؤیت ہے جو چھ صدی قبل میلاد چین میں پایا جاتا تھا۔ اس مذہب کے ماننے والوں کا عقیدہ تھا کہ انسانی طبائع کے مطالبات کی تکمیل کے بغیر انسان کی سعادت کی تکمیل ناممکن ہے اسی طرح تمام انسانوں کے سیاسی اور اجتماعی تعلقات کی استواری کے بغیر بھی انسانی سعادت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

دینی اور وطنی حیثیت کا خاتمہ ان کا بنیادی مقصد اس لئے ہے کہ اس سے یہودی حمایت ونصرت کی راہ کھلتی ہے اور زندگی کے تمام امور و معاملات میں ان کی دخل اندازی یقینی اور آسان ہو جاتی ہے، اسی لئے ہر کلب میں دو یہودی لازماً ہوتے ہیں جو کلب کے نقشۂ کار پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ نیک عمل خواہ کسی نوعیت کا ہو، مادی یا معنوی اجر وثواب کی نیت سے نہیں کیا جانا چاہیئے۔

ہر کلب کے ہفتہ واری اجتماعات ہوتے ہیں، جن میں ہر ممبر کی ساٹھ فیصد حاضری لازمی ہوتی ہے۔

ممبری کا امیدوار ہر شخص نہیں ہو سکتا، بلکہ جس کو ممبر بننے کی پیشکش کی جائے وہی امیدوار ہو سکتا ہے۔

مزدور طبقہ کے لوگ اس کے ممبر نہیں ہو سکتے، اسکی ممبری صرف ان لوگوں کے لئے مختص ہوتی ہے جو عالی مرتبت اور اونچے مناصب اور عہدوں پر فائز ہوں یا اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہوں)۔

ممبر سازی کے لئے عمر پر بھی گہری نگاہ رکھی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ نیا خون ان کو فراہم ہوتا رہے اس لئے نوجوان طبقہ کو اپنانے میں بطور خاص دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کہ ان کو حسب منشا ڈھالنا آسان ہوتا ہے۔

لیکن ضرورت کا تقاضا یا مصلحت کا مطالبہ ہو تو ایک ہی پیشہ کے متعدد افراد کو اپنا نمائندہ بنا لیتے ہیں۔

ہر کلب کے انتظامی بورڈ میں دو افراد ضرور ایسے ہوتے ہیں جو پہلے کسی کلب کے صدر رہے ہوں یعنی روٹری کلب کے ان رازدانوں میں سے ہوں جن کا شجرہ یول یا دلیس سے ملتا ہو۔

تشارلیز لزماروں تین سال تک ایک روٹری کلب کا ممبر رہا روٹری کلب کے مطالعہ کے بعد اس نے جو حقائق پیش کئے وہ درج ذیل ہیں۔

روٹری کلب کے ہر چالیس ممبروں میں ۹۵ ممبران لازماً ایسے ہوتے ہیں جو ماسونیت سے وابستہ اور اس کے جاں نثار ہوتے ہیں۔ روٹری کلب سے ان کی وابستگی صرف اس مقصد سے ہوتی ہے کہ جو لوگ براہ راست ماسونیت کے حلقۂ دام میں آنے سے پرہیز کرتے رہنا چاہیں ان کو روٹری کلب کے ذریعہ ماسونیت کی خدمت ومصلحت کے لئے کام میں لایا جا سکے۔

بعض حالات ومواقع میں روٹری کلب کی ممبری ماسونیت کی ممبری پر منتج ہوتی ہے۔ جیسا کہ رونبرہ برطانیہ ۱۹۲۱ء میں پیش آیا۔

[illegible]ء فرانس کے شہر نانسی میں منعقد ہونے والی میٹنگ کی ایک قرارداد یہ تھی کہ جب ماسونی ممبران دوسروں کے اشتراک سے کوئی انجمن قائم کریں تو ضروری ہوگا کہ اس کی کلیدی کار ان کے اپنے ہاتھوں میں ہو، اسی طرح یہ بات بھی ناگزیر ہوگی کہ مرکزی انتظامیہ ان کے اپنے لوگوں پر مشتمل ہو تاکہ وہ ماسونی اصول ومبادی کی روشنی میں ہی اس کی منصوبہ بندی کر سکیں۔

مختلف شہروں میں متعین اس کلب کے صدور کی ایک علیحدہ مستقل انجمن ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موقعہ بموقعہ یہ لوگ اکٹھا ہو کر کلب کو منظم اور فعال بنانے کی تدابیر پر غور کریں۔

فکری اساس

روٹری کلب اور ماسونیت کے نظریات دین و وطن کے بارے میں یکساں ہیں۔ ممبران کے انتخاب کا اصول بھی دونوں کے نزدیک یکساں و مشترک ہے۔

فرد کو جن اخلاقی اور روحانی اقدار کا حامل ہونا چاہیئے، وہ بھی دونوں کے نزدیک یکساں ہیں جیسے مساوات کا تصور، اخوت و بھائی چارگی، احترام و انسانیت، عالمی سطح پر انسانوں کا باہمی تعاون وغیرہ ان اقدار کو مقبول عام بنانے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسری تمام قومیں اپنے دینی اور وطنی امتیازات و اختصاصات سے عاری ہو جائیں تاکہ صرف یہودیت اپنے تمام امتیازات کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کی رہبری کر کے ان پر اپنی برتری و بالادستی قائم رکھ سکے۔

روٹری کلب اور اس جیسی دوسری تنظیمیں چونکہ ماسونیت کی ذیلی تنظیمیں ہیں اس لیے یہودیوں کی منصوبہ بندی کی پابند رہ کر ہی اپنے پروگرام مرتب کرتی ہیں اور ہر حال میں یہودی مفادات کے تحفظ کی نگراں ہوتی ہیں اور ان کے مصالح کی ہی رکھوالی کرتی ہیں۔ گویا بنیادی حیثیت سے ان میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے، البتہ طریق کار کے اعتبار سے دونوں میں اتنا فرق ضرور ہے کہ روٹری کلب کی قیادت صیغۂ راز میں نہیں رہتی اور ماسونیت کی قیادت صیغۂ راز میں رہتی ہے، کسی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

بظاہر یہ لوگ انسانی کاز کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور مختلف انسانی گروہوں میں تعلقات کو خوشگوار بنانے کا اہتمام کرتے ہیں، اسی طرح بظاہر ان کی سرگرمیاں تعلیمی و تہذیبی اور سماجی و اخلاقی مسائل کے حل تک ہی محدود رہتی ہے لیکن حقیقی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسانیت و اخوت کی بنیاد پر دوسری قوموں سے یہودیوں کے روابط پیدا کر کے ایسی معلومات بہم پہنچائی جائیں جو ان کے معاشی اغراض کی تکمیل کر سکیں، اور ان کے لئے سماجی کشادگی کی راہیں ہموار کر سکیں۔ اس کی تائید

وثوق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنے کلب کی ممبری سے صرف ان ہی لوگوں کو نوازتے ہیں جو اونچے مناصب اور بلند سماجی حیثیت کے مالک ہوں۔

اثر و نفوذ کا دائرہ

روٹری کلب کا آغاز ۱۹۰۵ء میں امریکہ میں ہوا، امریکہ سے یہ برطانیہ پہونچی اور وہاں سے دوسرے یورپی ممالک کے لئے اس کی راہیں کھلیں۔ یورپی ممالک میں قدم جما لینے کے بعد ساری دنیا میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔

اس کی ایک شاخ اسرائیل میں بھی قائم ہے، متعدد عرب ممالک میں بھی اس کی شاخیں ہیں، مصر، اردن، تونس، الجزائر، لیبیا، مراکو اور لبنان وغیرہ میں اس کی شاخیں بہت فعال اور متحرک ہیں اور بیروت تو مشرق وسطیٰ کے تمام کلبوں کے مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

غزل

اختر جلالپوری

غمِ دردِ جہاں دیکھا نہ جائے — ہوس کا اب زیاں دیکھا نہ جائے
غمِ سوزِ نہاں دیکھا نہ جائے — یہ آہوں کا دھواں دیکھا نہ جائے
ابھی ہے دور آگے اپنی منزل — ستاروں کا جہاں دیکھا نہ جائے
ہر اک شے میں نہاں ہے اسکا جلوہ — ترا اب آستاں دیکھا نہ جائے
سمجھتے ہیں وہ جب مشکوک ہم کو — انھیں کیوں بدگماں دیکھا نہ جائے
عیادت کو وہ آئے مرے گھر پر — زمیں پر آسماں دیکھا نہ جائے
میں لایا بارِ عصیاں روزِ محشر — یہاں اب کچھ بیاں دیکھا نہ جائے
کہاں تک ضبط ہو اختر فغاں سے
کہ اب دردِ نہاں دیکھا نہ جائے

اخبارِ علمیہ

تاریخ اسلام کا ایک حیرت انگیز معجزہ

ابھی حال ہی میں ایک ایرانی بچہ سید محمد حسین طباطبائی جس کی عمر بمشکل چھ سال ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز حافظہ اور زبردست صلاحیت سے نوازا ہے، اپنے والد محترم کے ساتھ جامعہ سوث (ایران) پہونچا، جامعہ نے ان کی شاندار ضیافت کی۔ وہاں اس بچہ نے علماء و مشائخ کے سامنے اپنی اس بے مثال صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ اور جامعہ نے اسے پی، ایچ، ڈی (ڈاکٹریٹ) کی اعزازی ڈگری سے سرفراز کیا۔

اس بچے کا امتحان لینے کے بعد ایک جید عالم نے فرمایا:

"علم قرآن کے تعلق سے یہ بچہ ایک خوبصورت معجزہ ہے۔ تاریخ اسلام نے ایسا عبقری شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔"

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"... اس کے والد نے بتایا کہ جب یہ بچہ دو سال کا تھا اسی وقت سے اس کی یہ پوشیدہ صلاحیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ وہ (جو کہ خود بھی حافظ قرآن تھے) کہنے لگے کہ "جب کبھی میں تلاوت کرتے ہوئے کچھ بھول جاتا تو یہ فوراً مجھے ٹوک دیتا، اور بھولی ہوئی آیت یاد دلا دیتا"

انھوں نے جب اپنے بچے کی شدید رغبت اور بے پناہ ذہانت دیکھی تو اسے پورا قرآن حفظ کرانے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ وہ بچہ ابھی پڑھنے لکھنے سے بالکل نابلد تھا تو انھوں نے چہرے اور ہاتھ کے اشارے سے قرآن سکھانے کا ایک اچھوتا طریقہ اپنایا، اور ان کا خیال ہے کہ یہ طریقہ ان معصوم بچوں کو کچھ سکھانے کے لئے بہت موثر ہوگا جو ابھی اسکول جانے کے لائق نہیں ہیں،

بقیہ ص۳۱ پر

رپورٹ تربیتی کیمپ

تعلیم کی اہمیت کا احساس جس قدر و انداز سے پختہ ہوتا جا رہا ہے اسی قدر و انداز سے اسکے حصول کو سہل، مفید اور نتیجہ خیز بنانے کی تدبیریں بھی عمل میں لائی جا رہی ہیں، اسی سلسلہ میں لائق و فائق اساتذہ کی فراہمی پر سب سے زیادہ توجہ صرف کی جاتی ہے اور ممکنہ حد تک لیاقت و قابلیت کی تحقیق کے بعد کسی استاد کے انتخاب کا فیصلہ کرکے اطمینان کر لیا جاتا ہے کہ تعلیم کی کوکھ سے متوقع ثمرات و نتائج ضرور برآمد ہوں گے لیکن تعلیمی سفر کے گذشتہ تجربات ان ثمرات و نتائج سے بڑی حد تک تہی دامن رہے ہیں اس لئے ذمہ داران جامعہ باصلاحیت اساتذہ کی فراہمی ہی پر تکیہ کرکے بیٹھ نہیں جاتے بلکہ تعلیمی فوائد کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے اساتذہ کی تربیت کا بھی سال بہ سال اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ ۲۶، ۲۷ مئی کو اساتذہ کی تربیت کے لئے دو روزہ کیمپ کا اہتمام کیا گیا۔ پہلی نشست کا آغاز ضمیر الحسن صاحب فلاحی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، بعدہ شیخ الجامعہ جناب مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب نے افتتاحی خطاب میں اجتماع کے مقاصد پر مختصراً روشنی ڈالی۔ موصوف نے بتایا کہ مستقبل کی تعمیر نو کا کام جہاد فی سبیل اللہ کی ایک کڑی ہے لہذا اس کار نبوت کو انجام دینے کے لئے پیغمبرانہ دلسوزی، شفقت و محبت، بے پناہ حوصلہ، اصلاح کی شدید تڑپ کے ساتھ ساتھ عمل بھی ان تعلیمات کا نمونہ بننے کی ضرورت ہے جن کی آبیاری ہم طلبہ کے ذہنوں میں کرنا چاہ رہے ہیں کہ:

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو   بلکہ عمل بن کر غیب کی صدا بن جا

موصوف کے بعد محترم ڈاکٹر محمد یزدانی ندوی صاحب نے "ہندوستانی سماج میں دعوت کے امکانات" کے موضوع پر بصیرت افروز تقریر کی۔ موصوف نے اپنے

خطاب میں ہندوستانی مذاہب کی سب سے بڑی کمزوری شرک اور آواگمن جیسے بھس پھسے عقیدہ کو بتایا۔ نیز ان مذاہب میں عورتوں کی پست حیثیت پر بھی روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ سنگھ پریوار اور آریہ سماج نے جو اسلام مخالف مہم چھیڑ رکھی ہے اس سے اگرچہ اسلام کافی حد تک بدنام ہوا لیکن اس کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ اس سے ہندوؤں کے اندر خود سے اسلام کو جاننے کا تجسس پیدا ہوا ہے جو دعوت کے پھیلنے کے روشن امکانات کی بیّن دلیل ہے۔

دوسرے سیشن کا آغاز بعد نماز مغرب ہوا، جناب اشفاق احمد صاحب نے "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم و تربیت" کے موضوع پر اظہار خیال فرمایا۔ موصوف نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمی انقلاب برپا کیا وہ انتہائی مکمل اور دیرپا تھا۔ اس کے اثرات دوامی ہیں۔ مستقبل کی بعید ترین صدیوں کا احاطہ کئے ہوتے ہیں۔ ماہرین فن تعلیم و تربیت نے کوئی بھی ایسا اصول نہیں وضع کیا ہے جو آپ کی سیرت میں نہیں ملتا ہو۔ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جو تعلیم دیتے تھے وہ پورے یقین و اعتماد کی کیفیت کے ساتھ دیتے نیز اس سے پہلے اس کی جانب رغبت دلا کے دلوں میں آمادگی اور شوق کا جذبہ پیدا کرتے، مخاطبین کی استعداد کا لحاظ، انداز خطاب و تدریس کی دلپذیری اور دلکشی، تشبیہات و تمثیلات اور استعاروں کا استعمال، منظر و منظر کشی، موقع و محل کا لحاظ، شدت سے پرہیز، تیسیر کا اصول، انفرادی خصوصیات و امتیازات کا لحاظ، تعلیم میں تدریج کا لحاظ، تکرار و اعادہ اور آخر میں خلاصہ تعلیم کا اہتمام۔ یہ وہ اصول و ضوابط ہیں جن کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم میں شدت سے کرتے تھے۔

موصوف کے خطاب کے بعد جناب پروفیسر شریف حسین خاں صاحب نے "تدریس کے بنیادی اصول" کے موضوع پر نہایت ہی محققانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ آپ نے تدریس کے چار بنیادی اجزاء، اغراض و مقاصد، تدریسی مواد، طریقہ تدریس اور انداز قدر پر مفصل روشنی ڈالی۔ اور بتایا کہ تدریس کے دوران درج ذیل امور کا

لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ ۱۔ مافی الضمیر کی بحسن و خوبی ادائیگی ۲۔ طلبہ کو دوران تعلیم فعال اور ایکٹو رکھنا۔ ۳۔ تعلیم کو واقفیت اور نتائج کے محدود دائرہ سے نکال کر تفہیم اور تجزیہ تک پہونچانا۔ ۴۔ بچوں کے اندر مناسب رجحان اور ان کی زندگی اور سیرت و کردار میں خوشگوار تبدیلی کی راہ پیدا کرنا۔ ۵۔ سوالات کے دوران اس امر کا لحاظ رکھنا کہ جو بچے مضمون میں اچھے ہوں، ان سے مشکل سوال پوچھا جائے تاکہ ان میں شوق پیدا ہو اور کمزور بچوں سے آسان سوال کیا جائے تاکہ ان کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو۔ سوالات کسی خاص طالب علم کی جانب رخ کرکے نہ کئے جائیں، نہ ہی ایسے سوالات کئے جائیں جن کا جواب ہاں یا نہیں میں دیا جا سکتا ہو۔ جواب کے درست ہونے کی صورت میں شاباشی دینے اور صحیح نہ ہونے کی صورت میں منفی رویہ سے احتراز ضروری ہے۔

تیسرے سیشن کا آغاز ۲۰ رمئی ۹½ بجے صبح ہوا۔ اس سیشن میں درج ذیل تقاریر ہوئیں۔ ۱۔ "ابتدائی تعلیم کے مسائل اور تقاضے" کے موضوع پر جناب پروفیسر شریف خاں صاحب، ۲۔ "دعوت کے تقاضے اور مدارس کی ذمہ داریاں" کے عنوان پر ڈاکٹر کوثر یزدانی صاحب نے روشنی ڈالی۔ مدارس میں مروجہ طریقہ تعلیم و تربیت کا مبسوط اور جامع جائزہ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی صاحب نے پیش کیا۔ موصوف نے مدارس عربیہ کے نصاب میں متعین بعض کتابوں کی عدم صلاحیت نیز بعض اہم علوم و فنون سے بے اعتنائی کا شکوہ کیا۔ جس کی مفصل رپورٹ ان شاء اللہ حیات نو کے تعلیمی نمبر میں پیش کی جائے گی۔

چوتھا سیشن اساتذہ کے اوصاف و خصائص پر مذاکرہ سے متعلق تھا جس کی صدارت جناب پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب اور کنوینر کے فرائض جناب مولانا مطیع اللہ صاحب مدنی نے انجام دئے۔ اس مذاکرہ میں شعبہ ابتدائی سے جناب مولانا عبدالکریم انور حکیمی اور جناب مولانا کمال الدین صاحب فلاحی نے شرکت کی شعبۂ ثانوی سے جناب اشرف ضیاء احمد صاحب اور جناب کامل رضا صاحب نے حصہ لیا۔ اور

شعبۂ علی کی نمائندگی جناب مولانا انیس احمد مدنی صاحب نے کی۔ اور شعبۂ نسواں کے نمائندہ جناب حافظ احسان الحق صاحب فلاحی اور جناب علی رضا صاحب تھے۔

کیمپ کی اختتامی نشست بعد نماز مغرب زیر صدارت جناب مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب منعقد ہوئی۔ اس نشست میں بچوں کی تعلیم مسائل اور امکانات کے موضوع پر جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی نے روشنی ڈالی جس کی مفصل رپورٹ ان شاء اللہ حیات نو کے تعلیمی نمبر میں ہدیۂ قارئین کی جائے گی۔

موصوف کے بعد "ہند میں دعوت کے سلسلہ میں علماء و صوفیاء کے رول" پر جناب اشتیاق احمد ظلی صاحب نے محققانہ گفتگو کی۔ آپ نے بتایا کہ اگرچہ اس سلسلہ میں علماء کرام کی خدمات کا تفصیلی ذکر نہیں ملتا لیکن مدارس کا وہ جال جو قرون وسطیٰ میں علماء نے پھیلا رکھا تھا اور جس سے استفادہ ہر کسی کے لئے عام تھا اس کے اثرات تو ہندوستانی سماج پر ضرور پڑے ہوں گے۔ صوفیاء کرام کی خدمات دعوت دین کے سلسلہ میں مسلم ہیں لیکن یہ کہنا کہ ہند میں اسلام کی اشاعت صرف صوفیاء کرام ہی کی مرہون منت ہے محل نظر ہے۔

آخر شب یہ روح پرور اور ذہن ساز اجتماع شیخ الجامعہ جناب مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب کی اختتامی تقریر پر ختم ہوا۔

بقیہ:۔ لیل و نہار

اعلان عام

عیدالاضحیٰ کی تعطیل ۴ اپریل ۱۹۹۸ء بروز شنبہ سے شروع ہو کر ۱۳ ذوالحجہ کو ختم ہوگی۔ ۱۴ ذوالحجہ سے تعلیم شروع ہو جائے گی۔ طلبہ وقت کی پابندی کا لازماً لحاظ رکھیں۔ تاخیر کی صورت میں دشواری کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے

(نائب مہتمم تعلیم و تربیت)

جامعہ کے لیل و نہار

(ادارہ)

نئے داخلے

جامعہ کے بہتر اور عصر حاضر سے ہم آہنگ نظام تعلیم و تربیت کی وجہ سے ہر سال ہزاروں تشنگان علم کی درخواستیں آتی ہیں لیکن وسائل کی قلت کے باعث سیکڑوں متلاشیان علم سے معذرت کرلی پڑتی ہے امسال جامعہ کے متعدد شعبوں میں جو نئے داخلے ہوئے ہیں ان کی تفصیلات درج ذیل ہے۔

شعبۂ اعلیٰ طلبہ: ۵۷ شعبۂ ثانوی طلبہ: ۵۰ شعبۂ ابتدائی طلبہ: ۲۰۰

شعبۂ عالی طالبات: ۵۴ شعبۂ ثانوی طالبات: ۹۶ شعبۂ ابتدائی طالبات: ۲۹۴

اللہ کے فضل اور پھر محسنین جامعہ کے تعاون سے ہی جامعہ نے یہ مقام حاصل کیا ہے اگر محسنین اپنی توجہ میں تھوڑا سا اضافہ کرلیں تو جامعہ سے تشنگان علم کو یوں مایوس ہو کر واپس نہ ہونا پڑے۔

ممبئی یونٹ کا انتخاب

تاخیر سے موصول شدہ اطلاع کے مطابق جنوری ۱۹۹۸ء میں ممبئی یونٹ کا انتخاب صدر جامعہ جناب مولانا طاہر صاحب مدنی کی صدارت میں ہوا تھا، اتفاق رائے سے جناب مولانا اشفاق فلاحی صاحب سرپرست اور جناب خالد مخدوم صاحب صدر منتخب کئے گئے سکریٹری اور خازن کے عہدوں کے لئے بالترتیب جناب فیاض احمد فلاحی (مالیگاؤں) اور ابوالحسن فلاحی صاحب کا انتخاب عمل میں آیا۔ اللہ رب العزت ذمہ داران کو اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دینے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اظہار تعزیت

یہ خبر تمام متعلقین جامعہ کے لئے باعث رنج و غم ہوگی کہ جامعۃ الفلاح کے وجود کو اعتبار کا درجہ دینے اور اس کے خاکوں میں رنگ بھرنے والے جناب حکیم محمد ایوب صاحب کی اہلیہ محترمہ ۱۳ مارچ ۱۹۹۸ء

کی شام کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح یہ خبر بھی فلاحی حلقہ میں بڑے دکھ سے سنی جائے گی کہ جناب خالد فلاحی صاحب کے والد محترم کا ۲ فروری ۱۹۹۸ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ حیات نو وارثین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

امتحانی بورڈ اور تعلیمی کمیٹی کی نشست

امتحانی بورڈ کی نشست ۲۷ فروری ۱۹۹۸ء کو ہوئی جس میں ناظم جامعہ مہتمم و تربیت، نگران اعلیٰ، ذمہ داران تعلیمی شعبہ جات کے علاوہ علی گڑھ سے جناب پروفیسر شریف احمد خاں صاحب، ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب، ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی صاحب اور دہلی سے جناب محمد اشفاق احمد صاحب نے شرکت کی۔ نشست میں تفصیل کے ساتھ امتحانی قواعد وضوابط پر غور وخوض ہوا اور سفارشات مرتب کی گئیں۔ ۲۸ فروری ۱۹۹۸ء کو شیخ الجامعہ کی صدارت میں تعلیمی کمیٹی کی نشست ہوئی جس میں دیگر امور کے علاوہ امتحانی بورڈ کی سفارشات پر غور وفیصلہ ہوا۔ انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ کی تجاویز پیش ہوئیں اور یہ طے ہوا کہ جدید عربی زبان کی تدریس کے نصاب و معیار کے جائزے کے لئے حسب ذیل اہل علم کی خدمات حاصل کی جائیں اور انہیں جامعہ مدعو کیا جائے۔

۱۔ جناب ڈاکٹر شفیق احمد ندوی صاحب دہلی
۲۔ " " ضیاء الحسن " " "
۳۔ " " اجتباء " " " "

یہ بھی طے ہوا کہ ہاسٹل میں مزید گنجائش پیدا کی جائے تاکہ کمروں میں طلبہ کی تعداد مناسب ہو اور سابقہ اجتماعی نظم طعام کو بحال کرنے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔

کیونکہ تربیتی لحاظ سے وہ زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہے۔

سنہ ۹۷-۹۸ء کے ممتاز طلبہ

حسب اعلان امسال ناظم امتحانات باستثناء عربی پنجم کے تمام ہی درجات کے نتائج وقت مقررہ پر (۲۴ دسمبر ۹۷ء) منظر عام پر لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جو ایک خوش آئند قدم ہے۔

منظر عام پر آنے والے ان نتائج کی رو سے امسال جن طلبہ نے امتیازی نمبرات حاصل کئے ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

عربی ہفتم طلبہ: رئیس احمد I زید احمد II خورشید احمد III عربی ششم طلبہ عبد العزیز فارس I مسعود عالم II صغیر احمد III عربی پنجم بشیر احمد ملک I شمشاد عالم II عبید الرحمن فارسی III عربی چہارم شرف الدین I محمد امین پیرے II عمیر انس III محمد انس III عربی سوم محمد الیاس I معراج الدین II وسیم احمد III عربی دوم مبشر الزماں I جاوید احمد II فیروز عالم III عربی اول۔ افتخار احمد I ذیشان اختر II محمد عامر III

فاضلہ آخری طالبات: ام شہزادہ I سنبل ابو شحمہ II نصرت III فاضلہ اولیٰ تسنیم ضیاء الدین I سلمیٰ ملتان II شہلا خالد III عالمہ پنجم نادرہ پروین II تسنیم کوثر II آرزو III عالمہ چہارم: سعیدہ ریاض I عصمت II بشریٰ III عالمہ سوم: شگفتہ پروین I صادقہ II زیبا عالمگیر III عالمہ دوم: شمع فروز I گلناز باو II نغمہ سراج III عالمہ اول: صبا نعمانی I زرینہ امتیاز II ساجدہ رحمانی III

دعاء صحت

سکریٹری انجمن جناب مولانا انور محمد صاحب فلاحی عرصہ سے علیل چل رہے تھے ادھر موصوف کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے حتی کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے ہیں۔

ادارہ حیات نو، رفقاء اور فلاحی برادران سے خصوصاً مولانا کے لئے دعائے صحت کی درخواست کرتا ہے۔

خطوط و رسائل

محترمی و مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے بخیر ہوں گے۔

ڈاکٹر فیاض حمید علی گڑھ کا ایک مضمون حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج بابت ماہ فروری میں نظر سے گذرا۔ جو "فراہی کا امین ...... امین احسن اصلاحی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے مضمون نگار کی مولانا اصلاحی اور جماعت اسلامی سے واقفیت بہت سرسری ہے اس میں چند بڑی بڑی غلطیاں ہیں جن کی اصلاح بے حد ضروری ہے ورنہ یہ بے بنیاد باتیں آئندہ جزء تاریخ بن جائیں گی اور اسی طرح سیرت اور تاریخ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ چند باتیں نمبروار درج کرتا ہوں۔

۱۔ رسالہ الاصلاح کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ مولانا اصلاحی کے پاکستان چلے جانے کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے سنہ ۱۹۴۲ء میں مدرسۃ الاصلاح کو خیرباد کہا اور مولانا مودودی کے پاس چلے گئے اور رسالہ الاصلاح سنہ ۳۹ء میں ہی بند ہو چکا تھا۔ جب کہ مولانا اصلاحی اس درسگاہ میں موجود تھے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا ابو اللیث صاحب نے مدرسۃ الاصلاح میں صرف عربی سوم تک تعلیم حاصل کی ہے اور مولانا اصلاحی مرحوم عربی پنجم سے نیچے کے کلاس کبھی نہیں لیتے تھے اس طرح مولانا ابو اللیث صاحب نے ان سے تعلیم حاصل نہیں کی ہے لیکن چونکہ مولانا امین احسن کی چاند پٹی میں بہت ہی قریبی رشتے تھے اس تعلق کی بنا پر مولانا ابو اللیث صاحب ان سے قریب رہتے تھے اور انفرادی طور پر ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اسی معنی میں ان کو شاگرد سمجھا جا سکتا تھا۔

۳۔ تیسری خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "جماعت اسلامی کی تاسیس و ترقی میں بھی مولانا اصلاحی کا نام سر فہرست ہے مولانا اصلاحی نے سنہ ۴۱ء میں مولانا مودودی کے ساتھ لاہور میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی" حالانکہ مولانا اصلاحی تاسیس جماعت میں شریک نہیں تھے بلکہ جن ۷۵ آدمیوں کے اجتماع میں مولانا مودودی نے جماعت کی تاسیس کی ان میں مولانا اصلاحی موجود ہی نہیں تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب جماعت کی تاسیس ہو چکی تو مولانا مودودی سنہ ۴۲ء میں مدرسۃ الاصلاح پر تشریف لائے اور جماعت کی دعوت اور اس کے تعارف کے لئے ضلع اعظم گڑھ کے مشہور وکلاء، علماء اور مصنفین شبلی منزل کو مدرسۃ الاصلاح پر مدعو کیا اور سوال و جواب کی نشست رہی جس میں مولانا مودودی نے جماعت کا تعارف کرایا اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے اس موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے جماعت کی رکنیت قبول کی اور جب انھوں نے مولانا اختر احسن صاحب کو رکنیت قبول کرنے کی طرف متوجہ کیا تو مولانا اختر احسن صاحب نے فرمایا کہ میں اتنا بڑا اقدام کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لوں گا ابھی کچھ سوچوں گا اس کے بعد فیصلہ کروں گا، چنانچہ انھوں نے دوسرے سال جماعت کی رکنیت قبول فرمائی۔

۴۔ صفحہ ۲۳ پر لکھا گیا ہے کہ ہندوستان میں ان کی پہلی بیوی اور بچے ابو صالح و ابو سعد آبائی وطن میں موجود تھے۔ مگر تا عمر ان کی خبر نہ لی" اور پھر مضمون نگار نے مرحوم کے اس رویہ پر تنقید فرمائی۔

حالانکہ یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں۔ ابو صالح مرحوم اپنے والد کے ساتھ فوراً ہی چلے گئے تھے۔ وہ ہندوستان آتے رہے ہی نہیں، اور وہ پاکستان کے مشہور صحافی بنے اور وہیں کے شہری رہے اور ایک ہوائی حادثے میں شہید ہو گئے البتہ ابو سعد صاحب ہمیشہ ہندوستان میں رہے مولانا اصلاحی مرحوم نے ان کو بار بار اپنے پاس بلانا چاہا مگر یہ نہیں گئے مگر وہاں رہ کر اپنے لڑکے کی ہمیشہ خبر گیری کی۔ اور ان کی فکر میں ہمیشہ رہتے یہاں تک کہ تدبر قرآن کی پوری رائلٹی مولانا نے ابو سعد کو دی جس سے اس کو بہت فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔

اور مولانا کی پہلی بیوی جو پھولپور کے پاس کی تھیں پاکستان بننے سے کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں اس لئے یہ کہنا کہ مولانا نے بیوی بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا بہت تکلیف دہ الزام ہے۔ اس طرح کی باتیں مکمل معلومات کے بغیر نہیں لکھنی چاہئیں۔

۵۔ لکھا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں مولانا مودودی سے مولانا اصلاحی کے اختلافات ہوئے اور مولانا جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ بات بھی صحیح نہیں ہے مولانا اصلاحی ۱۹۵۷ء میں نہیں بلکہ جنوری ۱۹۵۸ء میں جماعت سے الگ ہوئے تھے۔

مولانا کی اولادیں

مولانا مرحوم کی پہلی شادی اصیل پور رحیم پہا میں ہوئی تھی ان سے ۴ لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں لڑکے ابو رافع، ابو صالح، ابو سعد، ابو سعید۔ سب سے بڑے لڑکے ابو رافع بچپن میں ہی انتقال کر گئے اور دوسرے لڑکے ابو صالح پاکستان میں ہوائی حادثے میں شہید ہو گئے ابو سعد ہندوستان میں رہ گئے اور بفضلہ حیات ہیں اور پھولپور اپنے آبائی وطن میں قیام پذیر ہیں سب سے چھوٹے لڑکے ابو سعید پاکستان میں اپنے والد کے ساتھ رہے اور بحمد اللہ حیات ہیں۔

پہلی بیوی سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں شمس النساء اور قمر النساء۔ پہلی لڑکی پاکستان میں ہیں اور دوسری لڑکی جوانی میں ٹی بی کے مرض میں انتقال کر گئیں۔

مولانا کی دوسری شادی پاکستان میں ہوئی جن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

مولانا نے اپنی اولاد کے ساتھ نہایت مشفقانہ برتاؤ کیا اور ہمیشہ ان کے لئے بے چین رہے۔

والسلام

نظام الدین اصلاحی